

## الیکشن

مشن سکول گوپال گنج میں طلباء کی ایک عام سی سیاسی تقریب تھی۔ حسین شہید سہروردی اور اے کے فضل الحق مہمان خصوصی تھے۔ دونوں جید مسلمان رہنما تھے۔ وہاں ان کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی جس کا نام شیخ مجیب الرحمن تھا۔ مجیب کی باتوں میں حد درجہ جذباتیت اور مسلمانوں کے لئے کچھ کر گزرنے کا جذبہ تھا۔ انگریزوں کی غلامی کے بھی حد درجہ خلاف تھا۔ حسین شہید سہروردی نے مجیب کو بلایا اور ایک چٹ دی۔ جس پر کلکتہ میں اس کے گھر کا پتہ درج تھا۔ مجیب کو کہا کہ اگر واقعی تم مسلمانوں کے حق کے لئے سیاسی جدوجہد کرنا چاہتے ہوں تو فوری طور پر کلکتہ آ کر سنجیدہ بات چیت کرو۔ یہ 1938ء کا وقت تھا۔ یعنی برصغیر اس وقت غلام تھا اور انگریزوں کے رحم و کرم پر تھا۔ مجیب حسب حکم کلکتہ چلا گیا۔ سہروردی سے ملاقات ہوئی۔ طے پایا کہ مسلم لیگ کا سٹوڈنٹ ونگ بنایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مجیب آل انڈیا مسلم لیگ کے طلباء ونگ کا جنرل سیکرٹری بن گیا۔ 1940ء میں شیخ مجیب نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں بھی شمولیت اختیار کر لی۔ قائد اعظم نے جب مسلمانوں کے لئے علیحدہ ملک کا مطالبہ کیا تو شیخ مجیب کو ایسے لگا کہ یہ اس کے دل کی بات ہے۔ دیوانہ وار پاکستان حاصل کرنے کے لئے بنگالیوں میں قومی جذبہ جگانا شروع کیا۔ وسائل حد درجہ کم تھے۔ سائیکل پر سوار قائد اعظم کے پیغام کو دیہاتوں تک لے کر جاتا تھا۔ سینکڑوں میل سائیکل چلا کر ہر مشکل جگہ پہنچتا تھا۔ لوگوں کو بتاتا تھا کہ محمد علی جناح، مسلمانوں کے عظیم لیڈر ہیں۔ اور پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔ لہذا ہر قیمت پر اس عظیم شخص کا ساتھ دینا چاہیے۔ مجیب کی شدید محنت رنگ لائی۔ قائد کے ایک سپاہی کی حیثیت سے اس نے اپنا فرض نبھانے کی بھرپور کوشش کی اور کامیاب رہا۔ 1947ء میں ڈھاکہ منتقل ہو گیا اور اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں داخلہ ملنے تک مسلمان طلباء کا سب سے قد آور رہنما بن چکا تھا۔ پاکستان بننے کے تھوڑے عرصے بعد مجیب اور مسلم لیگ کے راستے جدا ہو گئے۔ اس نے عوامی مسلم لیگ تشکیل دی اس کے بعد کا سیاسی سفر حد درجہ عجیب تھا۔ شیخ مجیب جیسے محب وطن شخص کو قید و بند کی لاتعداد صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ مگر اس نے اپنے وطن کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ صرف بنگالی زبان اور ثقافت کو اپنے ملک کے آئینی فریم ورک میں قانونی شناخت دلوانا چاہتا تھا۔

1966ء کو مجیب لاہور آیا اور اپنے چھ نکات پیش کیے۔ ان میں پارلیمانی طرز حکومت، صوبوں کے لئے اختیارات اور مرکز کے اختیار کو محدود کرنا شامل تھا۔ مگر کسی ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ اسے پاکستان نہیں چاہیے۔ مجیب کسی صورت میں پاکستان سے علیحدہ ہونے کا تصور تک نہیں کرتا تھا۔ اس کی تمام تقاریر، الیکشن کی سیاسی باتیں، مشرقی پاکستان کے لئے زیادہ

اختیارات تک محدود تھی۔ مگر پھر کیا ہوا۔ مجیب سٹیٹس کو کے خلاف تھا۔ سٹیٹس کو قائم رکھنے والی تمام قوتوں نے اسے ”عدار“ قرار دے دیا۔ اسے قید کر لیا گیا۔ مکتی باہنی بنی۔ ہمارے ازلی دشمن ہندوستان نے لشکر کشی کر کے مشرقی پاکستان کا وجود ختم کر دیا مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ شیخ مجیب قید کے دوران بھی پاکستان کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ مغربی پاکستان کے مقتدر طبقے کی حد درجہ احمقانہ پالیسیوں نے ملک توڑ کر رکھ دیا۔ باقی سب کچھ ہر ایک کے علم میں ہے۔ بنیادی نکتہ صرف ایک ہے۔ ایسا شخص جس نے قائد کے جھنڈے تلے پاکستان حاصل کرنے کے لئے مثالی جدوجہد کی، اسے باغی کیونکر بنایا گیا۔ وہ ریاست کا دشمن کیسے قرار پایا۔ یہ وہ سوالات ہیں جن پر ہمارے ملک میں بہت کم بحث ہوتی ہے۔ مگر طالب علم کی دانست میں ان اہم ترین سوالوں کے جواب میں ہی موجودہ پاکستان کی بقاء شامل ہے۔ ویسے عرض کرتا چلوں۔ اگر آپ زرداری صاحب کی اٹھارویں ترمیم ملاحظہ فرمائیں، تو وہ شیخ مجیب الرحمن کے چھ نکات سے بہت آگے کی چیز ہے۔ مجیب تو اٹھارویں ترمیم جیسی صوبائی آزادی مانگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ایک فرق ہے۔ پیپلز پارٹی نے صوبہ کی اکائی کو وسائل کے ذاتی استعمال پر ترتیب دیا۔ مگر مجیب اپنے چھ نکات کے ذریعے صرف وہ مراعات مانگ رہا تھا۔ جن سے مشرقی پاکستان اپنے مغربی حصے کے ہم پلہ ہو سکے۔ مگر پیپلز پارٹی نہیں نہیں۔ موجودہ زرداری پارٹی کے نزدیک صوبائی وسائل کو ذاتی استعمال کرنے کا ہر جواز موجود ہے۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ صوبے کو برباد کس طرح کیا جاتا ہے۔ بلکہ ہو چکا ہے۔ بہر حال میں محترم زرداری صاحب پر کچھ بھی نہیں لکھنا چاہتا۔

بنیادی نکتہ کی طرف واپس آتا ہوں۔ مقتدر طبقے کے غلط سیاسی فیصلوں سے ملک ایک بار ٹوٹ چکا ہے۔ اور دوسری بار پورا ملک ایک بے یقینی کی کیفیت میں جا چکا ہے۔ کسی سیاسی جماعت سے مجھے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ صرف سیاست کا ایک غیر معصب تجزیہ کار ہوں۔ میرے لئے مسلم لیگ، پیپلز پارٹی، تحریک انصاف، جمعیت علماء اسلام، فضل الرحمن، کسی بھی جماعت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہمیت ہے تو صرف وطن عزیز کی۔ عشق ہے تو صرف پاکستان سے۔ جب اس ملک کے متعلق منفی معاملات دیکھتا ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ پاکستان کی سہولت اور ترقی کے لئے ایک بے لاگ قلم کار ہوں۔ یہی میری پہچان ہے اور رہے گی۔

موجودہ حالات میں پاکستان کے معاملات کو ہر سیاسی فریق اپنی اپنی سیاسی عینک کے عدسے سے دیکھ رہا ہے۔ پارٹی اور ذاتی مفادات سے بڑھ کر کوئی بھی بات کرنے کو تیار نہیں۔ ریاستی ادارے حد درجہ دباؤ میں کام کر رہے ہیں۔ تمام نظریں انہیں پر مرکوز ہیں۔ صرف ان میں ہی یہ صلاحیت ہے کہ ملک کو موجودہ بھنور سے نکال لیں۔ خان صاحب کی حکومت ہرگز ہرگز مثالی نہیں تھی۔ مسلسل لکھ رہا ہوں کہ وہ انا پرستی کے عذاب کا شکار ہیں اور کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ان کے تجربے اور تجزیہ سے

بہت سے صاحب الرائے لوگوں کو اختلاف ہے جو ایک خوشبودار بات ہے۔ مگر جس طرح عمران خان کو ہٹایا گیا ہے۔ اس سے بہت سنجیدہ سوالات، سانپ بن کر سامنے آن کھڑے ہیں۔ ن لیگ کے اکابرین کے خلاف مہیب کرپشن کے الزامات موجود ہیں۔ یہ معاملات اگر عدالتوں کے ذریعے حل ہو جاتے اور انہیں بری کر دیا جاتا تو ان کی عزت میں اضافہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ نیب کے قوانین کو شخصی فائدے کے لئے تبدیل کرنا، سابقہ حکومت کے بیرونی ووٹ بینک کو حق رائے دہی سے محروم کرنا، الیکشن میں ٹیکنالوجی کے ذریعے شفافیت لانے کے عمل کو برباد کرنا، حد درجہ خطرناک فیصلے ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ اس سے یہ نقشہ ابھر کر سامنے آیا ہے کہ ملکی مفاد سے شخصی مفاد ہر طور پر مقدم ہے۔ حد تو یہاں تک ہے کہ ایک مذہبی جماعت کے موجودہ وزیر اپنے دفتر میں قائد اعظم کی تصویر تک برداشت نہیں فرماتے۔ دو ماہ کے سیاسی فیصلوں سے ملک عدم استحکام کی آخری دہلیز تک پہنچ چکا ہے۔ اور ریاستی اداروں کے علم میں تمام جزئیات ہیں۔

سیاسی عدم استحکام اور شخصی قانون سازی سے پورے ملک میں عمومی طور پر ایک یاسیت اور بے بسی کی کیفیت پھیل چکی ہے۔ لوگوں کی آنکھوں میں غصہ صاف نظر آتا ہے۔ ان میں مرنے مارنے کا جہان بھی عروج پر ہے۔ یہ درست ہے کہ خان صاحب کی تبدیلی حسب روایت بین الاقوامی قوتوں کے احکامات پر ہوئی۔ درست اور غلط کا فیصلہ بہر حال تاریخ کرے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ ریاستی اداروں کے فیصلوں سے اب ملک کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ پورے ملک میں ایک ہی طاقتور ادارہ ہے جو ہر جگہ اور مقام پر اپنی مرضی کے فیصلے کروانے کی اسطاعت رکھتا ہے۔ خوش قسمتی یا بد قسمتی سے اب سارا معاملہ انہیں کی میز پر آن گرا ہے۔ ویسے یہ بھی ہماری خوش بختی ہے کہ ہمارے پاس کم از کم ایک ایسا ادارہ موجود ہے جس پر ہم یقین بھی کر سکتے ہیں اور فخر بھی۔ درست ہے کہ ان سے بھی ماضی میں مہیب غلطیاں ہوئی ہیں۔ مگر انہوں نے اپنی غلطیوں سے سیکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس وقت پورا ملک نزاع کی کیفیت میں ہے۔ دو صوبوں یعنی بلوچستان اور کے پی میں باقاعدہ جنگ ہو رہی ہے۔ کے پی میں تو بحریہ کے علاوہ ہر قوت کا استعمال کیا جا چکا ہے۔ اور تقریباً یہی حال بلوچستان کا ہے۔ ہندوستان اس جنگ میں مالی اور عسکری وسائل مہیا کر رہا ہے۔ ان کے آرمی چیف کے مطابق آزاد کشمیر پر وہ حملہ کر سکتے ہیں۔ یعنی اس وقت ہم لوگ ہر طرف سے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہم کسی صورت میں اندرونی بد امنی، سیاسی اور معاشی عدم استحکام برداشت نہیں کر سکتے۔ ہماری جغرافیائی سالمیت تک حد درجہ خطرات کا شکار ہے۔ اس وقت ٹھوس، سنجیدہ اور غیر متعصب فیصلے کرنے کے علاوہ کسی ادارے کے پاس بھی کوئی دوسری آپشن میسر نہیں ہے۔ معاملہ فہمی کا اب صرف ایک رخ باقی رہ گیا ہے۔ شفاف ترین الیکشن فوری طور پر کروا کر جیتنے والے فریق کو حکومت سونپ دی جائے۔ خدا نخواستہ یہ نہ ہو کہ کوئی قومی لیڈر شیخ مجیب الرحمن کی طرح عمل کرنا شروع کر دے۔ الیکشن اب واحد لے لاگ حل رہ گیا ہے۔ باقی سب کھوکھلے

نعرے ہیں!